بسم اللہ الرحمن الرحیم

والدین اور اساتذہ بچوں کو کس حد تک مار سکتے ہیں؟

دارالافتاء اہلسنت (دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ والد اولاد کو اور استاد شاگرد کو جو مار سکتا ہے اس میں کم از کم بچے کی عمر، یونہی مار کی حد کیا ہے؟

جواب

اولاً یہ بات ذہن نشین رہے کہ بچہ اگر کوئی غلطی کرے، تو حتی الامکان اسے پیار، محبت اور نرمی کے ساتھ سمجھایا جائے اور مارنے سے گریز کیا جائے، کیونکہ اصل مقصد اصلاح اور تربیت ہے اور اس کے لئے سمجھانا زیادہ مفید ہے۔ اس کے برخلاف بات بات پہ بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا اور مارنا انہیں ضدی اور سخت مزاج بنا دیتا ہے اور پھر اصلاح کے بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے، لہذا اس سے گریز ہی کرنا چاہیئے۔ البتہ اگر کبھی واقعی مارنے کی ضرورت پیش آجائے، تو والدین اور استاد کو چند شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے، جو درج ذیل ہیں:

(1) بچہ تادیب کا اہل ہو، یعنی اتنا سمجھ دار ہو کہ اسے معلوم ہو جائے کہ کس وجہ سے مار پڑی ہے، کیونکہ ناسمجھ بچہ تادیب کو سمجھتا ہی نہیں، تو وہ اس کا اہل بھی نہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے عمومی طور پر سات سال کی عمر کو سمجھ آنے کی عمر قرار دیا ہے، کیونکہ عموماً اس عمر میں بچہ سمجھ بوجھ حاصل کر لیتا ہے۔

(2) مارنے والا اگر استاد ہے، تو اسے بچے کے والد کی جانب سے صراحتاً، یعنی واضح لفظوں میں اجازت ہو یا دلالتاً، یعنی جہاں معروف ہو کہ بوقتِ ضرورت بچے کو مارا جاتا ہے، تو وہاں والد کی طرف سے مارنے کی دلالتاً اجازت سمجھی جائے گی۔ جہاں معروف نہیں یا باقاعدہ منع کر دیا گیا ہو، تو وہاں محض تعلیم کے لیے سپرد کر دینے سے مارنے کی اجازت نہیں سمجھی جائے گی۔

(3) مارنا غصہ اتارنے کے لئے نہیں، بلکہ تنبیہ، تعلیم وتادیب، تربیت وتہذیب اور اصلاح ونصیحت کے لئے ہو۔

(4) ہاتھ سے مارا جائے، لکڑی، ڈنڈے، بیلٹ وغیرہ یا اچانک اس طرح کی کوئی چیز اٹھا کر مارنے کی اجازت نہیں۔

(5) سر، چہرے اور نازک اعضا، جیسے شرمگاہ والے حصے پر نہ مارا جائے۔

(6) تین ضربوں سے زیادہ نہ لگائی جائیں۔

(7) اس انداز سے نہ مارا جائے جس سے ہڈی ٹوٹنے، کھال پھٹنے یا جسم پر سیاہ وسرخ داغ پڑ جانے کا اندیشہ ہو (ہاں! معمولی سا نشان جو ہاتھ کی درمیانی ضرب سے بھی پڑ جاتا ہے، بالخصوص جب رنگ سفید ہو، تو وہ معاف ہے)۔

(8) وہ مار بچے کی اپنی جسمانی طبیعت کے اعتبار سے برداشت کے قابل ہو، کیونکہ بچوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، کوئی کمزور ہوتا ہے اور کوئی طاقتور، تو ممکن ہے کہ جو مار ایک بچے کے لیے نقصان دہ نہیں، وہ دوسرے کے لیے نقصان دہ ہو۔

(9) مار کے ساتھ گالی نہ ہو، کہ بلاوجہ شرعی کسی بھی مسلمان کو گالی دینا، جائز نہیں۔

(10) مارنے کے متعلق ملکی قوانین کا بھی خیال رکھا جائے۔

ضروری تنبیہ : مذکورہ قیودات کی رعایت انتہائی ضروری ہے۔ اس کے برخلاف آج کل بعض لوگ غصہ میں آکر چہرے پر مارتے ہیں، مکوں، گھونسوں اور لاتوں وغیرہ سے پیٹتے ہیں، ڈنڈا یا جو کچھ ہاتھ میں آئے اسی سے مارنا شروع کر دیتے ہیں اور جب تک غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا، مارتے رہتے ہیں، وہ سخت گناہگار اور عذابِ نار کے حقدار ہوتے ہیں، خصوصاً نابالغ کا معاملہ تو اور بھی سخت تر ہے، کہ وہ معاف بھی نہیں کر سکتا۔

<u>مذکورہ احکام سے متعلق احادیث :</u>

پیار و محبت کے ساتھ سمجھانے کو ترجیح دینی چاہیئے۔ چنانچہ حضرت معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ تعالی عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ”فبابی هو وامی! مارايت معلما قبله ولا بعده احسن تعليما منه، فوالله ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني“ ترجمہ: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں۔ میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے بہتر کوئی معلم (سکھانے والا) نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! نہ تو آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا اور نہ ہی مجھے برا بھلا کہا۔ (صحیح مسلم، ج 1، ص 381، مطبوعہ دار احیاء التراث، بیروت)

اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ليس منا من لم يرحم صغيرنا ويعرف حق كبيرنا“ ترجمہ: وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کے حق کو نہ پہچانے۔ (مسندِ احمد، ج 11، ص 345، مطبوعہ، مؤسسة الرسالہ)

چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے۔ چنانچہ حضرتِ جابر رضی اللہ تعالی عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ”نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الضرب في الوجه وعن الوسم في الوجه“ ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرے پر مارنے اور چہرے پر داغنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم، ج 3، ص 1673، مطبوعہ دار احیاء التراث، بیروت)

مسلمان کو گالی دینا جائز نہیں۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”سباب المسلم فسوق وقتاله كفر“ ترجمہ: مسلمان کو گالی دینا فسق اور (اس کے قتل کو حلال جان کر) اسے قتل کرنا کفر ہے۔ (صحیح بخاری، ج 1، ص 19، مطبوعہ دار طوق النجاۃ، بیروت)

<u>مذکورہ احکام کے فقہی جزئیات :</u>

مار کے لئے بچے کا سمجھدار ہونا ضروری ہے اور مار بھی اصلاح و تربیت کے لئے ہوگی۔ چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے :"الصبی العاقل فانه یعزر تادیبا لا عقوبة، لانه من اهل التادیب، الا تری الی ماروی عنه علیه الصلاۃ والسلام انه قال: "مروا صبیانکم بالصلاۃ اذا بلغوا سبعا واضربوهم علیها اذا بلغوا عشرا" وذلك بطریق التادیب والتهذیب لا بطریق العقوبة، لانها تستدعی الجنایة وفعل الصبی لا یوصف بکونه جنایة، بخلاف المجنون والصبی الذي لا یعقل، لانهما لیسا من اهل العقوبة ولا من اهل التادیب" ترجمہ : سمجھدار بچہ تو اسے بطورِ تادیب تعزیر کی جائے گی، نہ کہ بطورِ سزا، کیونکہ وہ تادیب کا اہل ہے (نہ کہ سزا کا)۔ کیا تم نہیں دیکھتے اس روایت کو جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا : اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوجائیں اور جب دس سال کے ہوجائیں، تو نماز پر انہیں مارو۔ یہ مار، تادیب اور تہذیب کے طور پر ہے، نہ کہ سزا کے طور پر، کیونکہ سزا جرم کا تقاضا کرتی ہے اور (نابالغ) بچے کا فعل جرم نہیں کہلاتا۔ اس کے برخلاف مجنون اور وہ بچہ جو عقل نہ رکھتا ہو (انہیں تادیباً بھی نہیں مارا جائے گا)، کیونکہ وہ نہ سزا کے اہل ہیں اور نہ ہی تادیب کے۔ (بدائع الصنائع، ج 7، ص 64، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

سات سال کا بچہ شرعاً سمجھدار کہلاتا ہے۔ چنانچہ شرح ابو داؤد للعینی میں ہے :"وانما عین السنة السابعة، لانها سنة التمییز، الا یری ان الحضانة تسقط عند انتهاء الصبی الی سبع سنین" ترجمہ : حدیث پاک میں (نماز کے حکم کیلئے) ساتویں سال کو معین کیا، کیونکہ یہی تمییز کا سال ہوتا ہے، کیا دیکھا نہیں کہ ماں کا حقِ پرورش بچے کے سات سال پورے ہونے پر ختم ہوجاتا ہے۔ (شرح ابو داؤد للعینی، ج 2، ص 414، مطبوعہ الریاض)

مزید اسی میں ہے :"ویختلف ذلك باختلاف ذکاوۃ الصبي وبلادته، فکم من صبی عمره خمس سنین او اکثر من ذلك بقلیل یعرف ذلك وکم من صبی عمره عشر سنین او اقل من ذلك بقلیل لا یَعرف ذلك ولکن الغالب فی ذلك سبع سنین" ترجمہ : یہ (یعنی سیدھے اور الٹے کی پہچان کا معاملہ) بچے کی ذہانت اور کم فہمی کے اختلاف سے بدل جاتا ہے۔ کتنے ہی بچے ایسے ہوتے ہیں جو پانچ سال یا اس سے کچھ زیادہ عمر میں ہی یہ بات سمجھنے لگتے ہیں اور کتنے ہی بچے ایسے ہوتے ہیں جو دس سال یا اس سے کچھ کم عمر میں بھی یہ بات نہیں سمجھتے، لیکن عام طور پر سمجھدار ہونا سات سال کی عمر میں ہوتا ہے۔ (شرح ابو داؤد للعینی، جلد 2، صفحہ 418، مطبوعہ، الریاض)

اسی بارے میں حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے :"اقل سن یعتبر فیه التمییز سبع سنین" ترجمہ : سب سے کم عمر جس میں تمییز کا اعتبار ہوتا ہے، وہ سات سال کی ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص 600، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

استاد والد کی اجازت کے ساتھ ہی مار سکتا ہے۔ چنانچہ البحر الرائق میں ہے :"والمعلم والاستاذ لیس لهما ضرب الصغیر الا باذن الاب او الوصی" ترجمہ : معلم اور استاد کا بچے کو باپ یا وصی کی اجازت کے بغیر مارنا جائز نہیں۔ (البحر الرائق، ج 7، ص 309، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی)

اسی بارے میں فتاوی شامی میں ہے : ”المعلم فله ضربه، لان المامور یضربه نیابة عن الاب لمصلحته والمعلم یضربه بحکم الملك بتملیك ابیه لمصلحة التعلیم وقیده الطرسوسی بان یکون بغیر آلة جارحة“ ترجمہ : معلّم کے لیے بچے کو مارنا جائز ہے، کیونکہ جسے اجازت دی گئی ہو وہ بچے کی مصلحت کے لئے اس کے باپ کی جانب سے نائب ہونے کی حیثیت سے مارتا ہے اور معلّم باپ کی طرف سے دیے گئے اختیار کی بنا پر تعلیم کی مصلحت کے لیے مارتا ہے۔ اور طرسوسی نے اس کو اس شرط کے ساتھ مقید کیا ہے کہ مارنا کسی زخم لگانے والے آلے سے نہ ہو۔ (فتاوی شامی، ج 6، ص 430، مطبوعہ، دار الفکر، بیروت)

سر، چہرے اور شرمگاہ والے حصہ پر مارنا جائز نہیں۔ چنانچہ فتاوی شامی میں امام زیلعی کے حوالہ سے ہے : ”ویتقی المواضع التی تتقی فی الحدود ای کالراس والمذاکیر“ ترجمہ : (تعزیر میں) ایسے مقامات (پر مارنے) سے بچا جائے جن سے حدود میں بچا جاتا ہے، یعنی سر اور مردانہ اعضاء۔ (فتاوی شامی، ج 4، ص 61، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

تین ضربوں سے زیادہ مارنا جائز نہیں۔ چنانچہ فتاوی شامی میں ہے : ”ولا یجاوز الثلاث وکذلك المعلم لیس له ان یجاوزھا، قال علیه الصلاۃ والسلام لمرداس المعلم: ایاك ان تضرب فوق الثلاث، فانك اذا ضربت فوق الثلاث اقتص اللہ منك، اسماعیل عن احکام الصغار للاستروشنی وظاهره انه لا یضرب بالعصا فی غیر الصلاۃ ایضا“ ترجمہ : اور تین ضربوں سے تجاوز نہ کرے۔ اسی طرح معلم کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ تین سے زیادہ مارے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معلم مرداس سے فرمایا : تم تین سے زیادہ مارنے سے بچو، کیونکہ اگر تم نے تین سے زیادہ مارا تو اللہ تعالیٰ تم سے بدلہ لے گا۔ (یہ) اسماعیل نے کتاب ”احکام الصغار“ از استروشنی سے نقل کیا ہے۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ نماز کے علاوہ دیگر امور میں بھی لاٹھی سے مارنا جائز نہیں۔ (فتاوی شامی، ج 1، ص 352، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اتنا مارنا جائز نہیں کہ جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا جلد پھٹ جائے یا جسم پر سیاہ داغ پڑ جائیں۔ چنانچہ تنویر الابصار، درمختار اور رد المحتار میں ہے : بین القوسین مزیدا من رد المحتار: ”ادعت علی زوجها ضربا فاحشا وثبت ذلك علیه عزر، کما لو ضرب المعلم الصبی ضربا فاحشا، فانه یعزره ویضمنه لو مات (قوله "ضربا فاحشا" قید به، لانه لیس له ان یضربها فی التادیب ضربا فاحشا وهو الذی یکسر العظم او یخرق الجلد او یسوده، کما فی التتارخانیة قال فی البحر: وصرحوا بانه اذا ضربها بغیر حق وجب علیه التعزیر ای وان لم یکن فاحشا)“ ترجمہ : عورت نے مرد کے خلاف ضربِ فاحش کا دعویٰ کیا اور مرد کے خلاف یہ دعویٰ ثابت ہو گیا، تو اسے تعزیر کی جائے گی، جیسا کہ اگر معلّم بچے کو ضربِ فاحش کے ساتھ مارے، تو اسے بھی تعزیر کی جائے گی اور اگر اس مار پیٹ کی وجہ سے بچہ مر جائے، تو معلّم اس کا ضامن ہوگا۔ ماتن کا قول "ضربِ فاحش" یہ قید اس لئے لگائی گئی، کیونکہ معلّم کو تادیب کے سلسلے میں ضربِ فاحش کے ساتھ مارنا جائز نہیں اور وہ اتنی مار ہے کہ جو ہڈی توڑ دے یا جلد پھاڑ دے یا اسے سیاہ کر دے، جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔ بحر میں فرمایا کہ فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر اس نے ناحق مارا ہو، تو اس پر تعزیر واجب ہوگی، یعنی اگرچہ وہ ضربِ فاحش نہ بھی ہو۔ (تنویر الابصار مع درمختار و رد المحتار، ج 4، ص 79، مطبوعہ، دار الفکر، بیروت)

بچے کی برداشت کے مطابق ہی مار سکتے ہیں۔ چنانچہ مراقی الفلاح اور حاشیۃ الطحطاوی میں ہے :بین القوسین مزید امن الطحطاوی :
”وتضرب علیھا العشر بید لا بخشبۃ، ای عصا کجریدۃ رفقا بہ وزجرا بحسب طاقتہ ولا یزید علی ثلاث (قولہ "رفقا بہ" علۃ لقولہ لا بخشبۃ وقولہ "وزجرا بحسب طاقتہ" علۃ لقولہ وتضرب علیھا العشر بید)“ ترجمہ : اور دس سال کے بچوں کو نماز کے لئے ان کی طاقت کے مطابق زجراً ہاتھ سے مارا جائے گا۔ ان پر نرمی کرتے ہوئے لکڑی، یعنی لاٹھی جیسے ٹھنی شاخ وغیرہ سے نہیں مارا جائے گا اور مارنے والا تین ضربوں سے زیادہ نہ لگائے۔ "رفقا بہ" یہ "لا بخشبۃ" کی علت ہے اور "وزجرا بحسب طاقتہ" یہ "وتضرب علیھا العشر بید" کی علت ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص 173 تا 174، مطبوعہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)
بچے کو مارنے میں کن قیودات کو مدِ نظر رکھا جائے، اس بارے میں موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے :”للمعلم ضرب الصبی الذی یتعلم عندہ للتادیب وبتتبع عبارات الفقھاء یتبین انھم یقیدون حق المعلم فی ضرب الصبی المتعلم بقیود منھا:
أ- ان یکون الضرب معتادا للتعلیم، کما وکیفا ومحلا، یعلم المعلم الا من منہ ویکون ضربہ بالید لا بالعصا ولیس لہ ان یجاوز الثلاث روی ان النبی علیہ الصلاۃ والسلام قال لمرداس المعلم رضی اللہ عنہ: ایاك ان تضرب فوق الثلاث، فانك اذا ضربت فوق الثلاث اقتص اللہ منك۔
ب- ان یکون الضرب باذن الولی، لان الضرب عند التعلیم غیر متعارف وانما الضرب عند سوء الادب، فلا یکون ذلك من التعلیم فی شیء وتسلیم الولی صبیہ الی المعلم لتعلیمہ لا یثبت الاذن فی الضرب، فلھذا لیس لہ الضرب، الا ان یاذن لہ فیہ نصا۔
ج- ان یکون الصبی یعقل التادیب، فلیس للمعلم ضرب من لا یعقل التادیب من الصبیان“ ترجمہ : معلم کیلئے اس بچے کو جو اس کے پاس پڑھتا ہو، تادیب کے لیے مارنے کی اجازت ہے۔ فقہاء کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پڑھنے والے بچے کو معلم کے مارنے کے حق کو چند چیزوں سے مقید کیا ہے :
(1) یہ مار، مقدار، طریقے اور جگہ کے اعتبار سے تعلیم کے عرف کے مطابق ہو۔ معلم کو اس سے نقصان نہ ہونے کا اطمینان ہو۔ اور مارنا ہاتھ سے ہو، ڈنڈے سے نہ ہو، اور تین ضربوں سے زیادہ نہ ہو۔ روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معلم مرداس رضی اللہ عنہ سے فرمایا : تین سے زیادہ نہ مارنا، کیونکہ اگر تین سے زیادہ مارا تو اللہ تم سے بدلہ لے گا۔
(2) یہ مار ولی کی اجازت سے ہو، کیونکہ تعلیم پر مارنا معروف نہیں، بلکہ مارنا بے ادبی پر ہوتا ہے، پس مارنا تعلیم میں سے نہیں اور ولی کا محض تعلیم کے لیے بچے کو معلم کے سپرد کر دینا مارنے کی اجازت ثابت نہیں کرتا۔ لہذا معلم کو مارنے کا حق اسی وقت ہو گا جب ولی صراحتاً اس کی اجازت دے۔
(3) بچہ تادیب کو سمجھنے والا ہو، کیونکہ جو بچہ تادیب نہیں سمجھتا اسے معلم کے لیے مارنا جائز نہیں۔ (موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج 13، ص 13 تا 14، مطبوعہ کویت)

سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے فتاوی رضویہ میں فارسی زبان میں سوال ہوا جس کا اردو ترجمہ یہ ہے: کیا استاد اپنے شاگرد بچوں کو بغیر کسی قید و شرط کے بدنی سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟ کیا بچوں کو اجرت لے کر پڑھانے یا بلا اجرت پڑھانے والے کے لئے الگ الگ ضابطہ ہے؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں ہی جواب ارشاد فرمایا جس کا اردو میں ترجمہ یہ ہے: ”ضرورت پیش آنے پر بقدرِ حاجت تنبیہ، اصلاح اور نصیحت کے لئے بلا تفریقِ اجرت وعدمِ اجرت، استاد کا بدنی سزا دینا اور سرزنش سے کام لینا جائز ہے، مگر یہ سزا لکڑی، ڈنڈے وغیرہ سے نہیں، بلکہ ہاتھ سے ہونی چاہئے اور ایک وقت میں تین مرتبہ سے زائد پٹائی نہ ہونے پائے۔ (فتاوی رضویہ، ج 23، ص 652، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں: ”چھوٹے بچہ کو بھی تعزیر کر سکتے ہیں اور اس کو سزا اس کا باپ یا دادا یا ان کا وصی یا معلم دے گا اور ماں کو بھی سزا دینے کا اختیار ہے۔ قرآن پڑھنے اور ادب حاصل کرنے اور علم سیکھنے کے لیے بچہ کو اس کے باپ، ماں مجبور کر سکتے ہیں۔ یتیم بچہ جو اس کی پرورش میں ہے اسے بھی ان باتوں پر مار سکتا ہے جن پر اپنے لڑکے کو مارتا۔“ (بہار شریعت، ج 2، حصہ 9، ص 411، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مزید ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: ”اساتذہ بھی بچوں کو نہ پڑھنے یا شرارت کرنے پر سزائیں دے سکتے ہیں، مگر وہ کلیہ ان کے پیش نظر بھی ہونا چاہیے کہ اپنا بچہ ہوتا تو اسے بھی اتنی ہی سزا دیتے۔ بلکہ ظاہر تو یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے بچے کی تربیت و تعلیم کا جتنا خیال ہوتا ہے، دوسرے کا اتنا خیال نہیں ہوتا، **تو اگر اس کام پر اپنے بچے کو نہ مارا یا کم مارا اور دوسرے بچہ کو زیادہ مارا، تو معلوم ہوا کہ یہ مارنا محض غصہ اتارنے کے لیے ہے، سُدھارنا مقصود نہیں ہے، ورنہ اپنے بچہ کے سُدھارنے کا زیادہ خیال ہوتا**۔۔ بچوں کو زیادہ نہ مارے، مارنے میں حد سے تجاوز کرے گا، تو قیامت کے روز محاسبہ دینا پڑے گا۔“ (بہار شریعت، ج 3، حصہ 16، ص 626/629، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

مجیب: مولانا محمد فرحان افضل عطاری مدنی

فتوی نمبر: GUJ-0086

تاریخ اجراء: 03 رجب المرجب 1447ھ/24 دسمبر 2025ء